

منتخب تہذیبی و معاشرتی مسائل سے متعلق متجددانہ رجحانات کے نقد و تجزیے کا تحلیلی مطالعہ
(An Analytical Study of Critique and Analysis of Modern Trends
Regarding Selected Cultural and Social Issues)

*محمد شہباز

**محمد عثمان خالد

***ڈاکٹر محمد شہباز منج

Abstract

This article is an analytical study of the critique and analysis of modernist scholars' views regarding selected cultural and social issues. It focuses the critique of modern trends concerning the mixing of men and women, permission for a woman to perform *Nikāh*, and the legal status of veil. The study, analyzing the views of the modernist scholars and their critics, supports the views of traditional scholars who have rejected these trends by criticizing the thinking of modernist scholars in all the referred matters. It concludes that the views and arguments of the critics are more accurate and in accordance with *Sharī'ah* principles.

Key Words: Cultural and Social issues, modern trends, critiques, analysis

دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کے مقابلے میں اسلام کی تہذیب و ثقافت بالکل منفرد اور امتیازی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ وہ اصول و ضوابط اور افکار و نظریات ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے امت مسلمہ کو عطا فرمائے ہیں۔ ثقافت کی تمام تر جہات میں اسوہ حسنہ سے ہمیں ایسی جامع راہنمائی میسر آتی ہے جس سے بیک وقت نظری، فکری اور عملی گوشوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ ایسی جامعیت دنیا کی کسی دوسری تہذیب یا ثقافت میں موجود نہیں ہے۔ مغربی مفکرین اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود اسلام کی عظیم الشان

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی و عربی علوم، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، یو ای ٹی، لاہور

*** اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی و عربی علوم، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

تہذیب اور ثقافت کی نفی نہیں کر سکے۔ انہیں برملا اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمانوں نے یورپ کو تہذیب کی شاکستگی کی دولت ہی سے نہیں نوازا بلکہ شخصیت کی تعمیر و کردار کے لئے بنیادیں فراہم کیں، تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کو ثقافت کی روشنی سے ہمکنار کیا، جنگل کے قانون کی جگہ ابن آدم کو شرفِ انسانی کی توقیر و احترام کا شعور عطا کیا اور یوں اس کرہ ارضی پر ان مہذب معاشروں کے قیام کی راہ ہموار کی جو آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ دائرہ کار متعین فرمائے ہیں تاکہ نسل انسانی کے لئے معاشرتی غیرت و حمیت کے ضابطے برقرار رہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں خواتین اسلام کو غیر محرم مردوں سے بچنے، ان سے پردہ کرنے، اپنی آوازوں کو پست رکھنے کی تلقین کی ہے حتیٰ کہ دیور تک کو موت قرار دیا ہے، اور اسی طرح محرم کے بغیر سفر کرنے حتیٰ کہ سفر حج تک سے روک دیا ہے، کسی مرد کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے پر بھی پابندی عائد کی ہے اور جو عورت ان پابندیوں پر عمل درآمد نہیں کرتی، اس کے لیے اسم کالب و لہجہ انتہائی سخت و کرحت ہے، جیسا کہ خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے والی کو زانی کہا گیا ہے۔ اور اسی طرح مردوں کو خواتین کے ساتھ اختلاط سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مردوں کو بھی نگا ہیں پست رکھنے، عورتوں کو بلا وجہ چھونے تک منع کیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت اسلام لیتے ہوئے بھی کسی عورت کے ہاتھ پر بیعت نہیں لیتے تھے بلکہ پردے کے پیچھے سے زبانی بیعت لیتے تھے¹ اور اسی طرح لوگوں کو دوسروں کے گھروں میں جھانکنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ جب اسلام مرد و خواتین کے حوالے سے اتنی سختی کرتا ہے تو مخلوط سوسائٹی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح عصر حاضر میں تہذیب و ثقافت سے متعلق کئی ایک اور بھی ایسے متجددانہ رجحانات پائے جاتے ہیں جو کہ محققین علمائے کرام کی تصریحات سے ہٹ کر اپنائے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علماء محققین اور جید سکالرز نے دلائل کے ساتھ متجددانہ رجحانات کے حاملین کے متجددانہ رجحانات کا نقد کیا ہے، ذیل میں ہم فریقین کے دلائل کی روشنی میں تجزیہ کر کے یہ بات واضح کریں گے کہ متجددانہ رجحانات کے حاملین و ناقدین کے دلائل کی اصل اساس کیا ہے؟ اور نقد و تجزیہ کی کیا حیثیت ہے؟ ہم نے ذیل میں فریقین کے دلائل کا تحلیلی مطالعہ پیش کر کے راجح موقف کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں تین اہم مسائل، جن میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط، عورت کے نکاح پڑھانے اور پردے یا اوڑھنی کے حوالے سے متجددانہ رجحانات اور ان کے نقد و تجزیے کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

اختلاطِ مرد و زن سے متعلق متجددانہ رجحان اور اس کا نقد

پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ میری قرآنی بصیرت کے مطابق مردوں اور عورتوں کا ملنا جلنا ناجائز نہیں، لیکن جس میل جول کے نتیجے میں عفت و عصمت کی قدر پر زور ڈالنے کا احتمال ہو، اس سے احتراز ضروری ہے۔² متجددانہ رجحانات کے حاملین

¹ محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح البخاری (لاہور: دار السلام، 2006ء)، رقم: 1378۔

² غلام احمد پرویز، طاہرہ کے نام خطوط (لاہور: مکتبہ زریں آرٹ، سن)، 157۔

کا یہ موقف چونکہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے کیونکہ مخلوط سوسائٹی سے خواہ کسی کی عفت و عصمت پر زبرد پڑے یا نہ پڑے، اسلام مخلوط سوسائٹی کی اجازت نہیں دیتی۔ لہذا علما محققین نے متعدد رجحانات کے حاملین کے اس موقف کو قرآن و سنت اور تعبیرات اسلام کے مخالف جانتے ہوئے اس پر نقد کیا۔ نقد کے دلائل ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد دین قاسمی لکھتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات، مطلق اختلاط مرد و زن کے خلاف ہیں قطع نظر اس کے کہ عفت و عصمت کی قدر پر زور پڑنے کا احتمال ہو یا نہ ہو، اختلاط ذکور و اناث دراصل وہ ذریعہ ہیں جس کو اختیار کرنے کا نتیجہ عفت و عصمت کو معرض خطر میں ڈالنے کی صورت میں نکلتا ہے، اس لئے اسلام اس ذریعہ ہی کا سد باب کرتا ہے جس کا نتیجہ مبتلائے شر ہونے کی شکل میں برآمد ہوتا ہو، وہ ابتدائی اقدامات جو بظاہر کتنے ہی اچھے اور معصوم دکھائی دیں، اگر فسق و فجور میں ملوث کر دینے کا موجب بن جائیں، تو ایسے ابتدائی اقدامات کا سد باب، از روئے شریعت لازم اور ناگزیر ہے۔ "عورت کے لئے اس کی طبعی کمزوریوں کے باعث جو ماہواری، حمل، زچگی، نفاس اور رضاعت کے باعث اس پر عارض ہوتی ہیں، یہی بات قرین عقل و عدل ہے کہ اس کا میدان عمل گھر کی چار دیواری تک محدود ہو، تاکہ وہ اپنی زندگی کی ان ناگزیر تکالیف کو گھر کے پرسکون گوشہ عافیت میں باسائش و سہولت انگیز کر سکے۔³ امور خانہ داری، حقوق شوہر کی ادائیگی، بچوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی جسمانی ذہنی اور فکری و اخلاقی نشوونما جیسے فرائض کی بجا آوری کے لئے از بس ضروری ہے کہ عورت بیرون خانہ کے تمام اندیشہ ہائے فکر سے دستکش ہو کر، کارگاہ خانہ میں، اپنی فطری ذمہ داریوں کو نبھائے۔ قرآن کریم نے "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ"⁴ اے خواتین! اپنے گھروں میں تم وقار سے ٹکی رہو۔ کہہ کر خواتین کے دائرہ عمل کو گھر کی چار دیواری تک سمیٹ دیا ہے اور محرم اعزہ و اقربا کے چھوٹے سے دائرے کو میسر کر کے خواتین خانہ اور غیر محرم مردوں کے درمیان پردے کو حد فاصل کے طور پر قائم کیا ہے۔ یہ تصریحات عورت کے لزوم بیت کو واضح کر دیتیں ہیں تاہم ضرورتاً ان کا گھر سے نکلنا ممنوع نہیں ہے، یہ بات قرآن سے ثابت ہے اور سنت نبویہ ﷺ سے بھی گھر سے باپردہ خروج کے بعد، وہ کسی ایسی جلس و محفل میں شریک نہیں ہو سکتی، جس میں اختلاط صنفین پایا جاتا ہو، اس بات کو جاننا اور سمجھنا بہت ضروری ہے کہ، جو دین اعضائے خاتون پر نصب ہونے والی آرائش و زیبائش تک کو ظاہر کرنے سے منع کرتا ہے، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ان اعضا ہی کو بے نقاب کرنے کی اجازت دے گا، عقلاً محال ہے اور جو دین عورت کے زیورات تک کی آواز۔ اجانب کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا، اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ مخلوط مجالس میں اپنے فن گلوکاری سے سامعین کو نوازنے کی اجازت دے گا، بدیہی البطلان امر ہے، شریعت محمدیہ میں حکم حجاب و نقاب کے بعد، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ عام معاشرتی زندگی میں خواتین مخلوط مجالس میں شریک ہوا کرتی تھیں الایہ کہ کوئی مجلس محرم اعزہ و اقارب پر مشتمل ہو، یا جنگ کے خصوصی حالات میں ایسا ہو۔ عہد نبوی میں خواتین بعض

³ ڈاکٹر محمد دین قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 2009)، 1: 178۔

نمازوں کی ادائیگی کے لئے اگرچہ مساجد میں حاضر ہو کر تہیں مگر وہاں مردوں کی نشستیں، خواتین کی نشستوں سے یکسر الگ ہو کر تہیں۔ کسی صف میں مرد و خواتین، مل جل کر شانہ بشانہ کھڑے نہیں ہوتے تھے⁵، بلکہ نزول حجاب سے قبل کا بھی کوئی واقعہ ایسا منقول نہیں ہے جس میں مردوں کی کسی صف میں خواتین یا خواتین کی کسی صف میں مردوں کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہو، اب ظاہر ہے کہ جو دین مسجد و معبد میں بھی خواتین و حضرات کی مخلوط سوسائٹی کا روادار نہیں ہے، وہ خانہ خدا سے باہر ایسی مجالس کار و ادارہ کیونکر ہو سکتا ہے، اور حضرت رسالت ﷺ کے بابرکت اور پر سعادت دور میں بھی، مرد و زن کی مخلوط اور مشترک معاشرت کو رواج نہیں دیا گیا، تو آج کے فسق و فجور کے دور میں، اختلاط ذکر کو اناتھ کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔

اختلاط مرد و زن سے متعلق بحث کا تجزیہ

مخلوط سوسائٹی ایک ایسی معاشرت ہے جس کی نفی پر اسلام اپنا نظام حیات مرتب کرتا ہے اور جو ہدایات بھی دیتا ہے یہ طے کرتے ہوئے دیتا ہے کہ اہل ایمان کے معاشرے میں مخلوط مجالس اور مشترک محافل کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ اس لیے وہ مخلوط معاشرت سے متعلقہ احکام و ہدایات دیتا ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید اس حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔⁶ سوال یہ ہے کہ اس آیت میں مردوں کو مردوں سے اور عورتوں کو عورتوں سے مذاق کرنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن عورتوں کو مردوں کا مذاق اڑانے اور مردوں کو عورتوں کا مذاق اڑانے سے باز رکھنے کا ذکر تک نہیں ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنے کی کھلی اجازت پر محمول کر لیا جائے؟ نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اسلام ان ہدایات کو جاری کرنے سے پہلے ہی یہ طے کر چکا ہے کہ اسلامی معاشرے میں مخلوط مجالس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے وہ مخلوط معاشرت سے وابستہ احکام و ہدایت دیتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ہدایت و تعلیم کا انداز ہی ایسا ہوتا ہے جو مخلوط معاشرت کی نفی پر احساس پذیر ہو۔ لہذا ہم اس معاملے میں دیانتدارانہ تجزیہ کی بنیاد پر اس مقام تک پہنچتے ہیں کہ دین اسلام کسی صورت بھی مخلوط سوسائٹی کو قبول نہیں کرتا۔ جو لوگ مخلوط سوسائٹی کے قائل و فاعل ہیں تہذیب مغرب کی سلگتی آگ کے انگارے ان کے لئے باعث نشان عبرت کافی ہیں۔ جو اسلام عورت کو کسی غیر آدمی سے اونچی آواز میں بات تک کرنے کی اجازت نہیں دیتا وہ اسلام مخلوط سوسائٹی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ فریقین کے منصفانہ تجزیہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مخلوط سوسائٹی کے حوالے سے متجدد اندر رجحانات کے حاملین کا موقف درست نہیں ہے کیونکہ کتاب و سنت کے قطعی دلائل اس کی اجازت کسی صورت نہیں دیتے کہ مخلوط سوسائٹی سے اگر کسی کی عفت و عصمت پر زد پڑے تو درست نہیں و گرنہ مخلوط سوسائٹی

⁵ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، فتح الباری (قاہرہ: مطبعۃ السلفیہ، س ن) 3: 189۔

⁶ الحجرات 49: 11۔

درست ہے۔ جبکہ نبی اکرمؐ نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا: خبردار کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے جب دو مرد اور عورت اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔⁷ اگر مرد اور عورت دو کی موجودگی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے تو جب مرد وزن کی زیادہ تعداد کا اختلاط ہوگا تو اس مجلس میں کتنے شیطان اکٹھے ہوں گے؟ متجددانہ رجحانات کے حاملین کے فہم و فراست پر کوئی ذی شعور آدمی کف افسوس ملنے کے سوا کچھ بھی کیا سکتا ہے۔

خاتون کو نکاح پڑھانے کی اجازت کے حوالے سے متجددانہ رجحانات اور اس کا نقد

دین اسلام میں ہر اعتبار سے خواتین کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے اور انہیں وہ مقام و مرتبہ عطا کیا گیا ہے جس کی فی الواقع وہ مستحق ہیں۔ ان کو مردوں کے مقابلے میں کمتر اور گھٹیا قرار دینے کی بجائے (جیسا کہ اسلام سے قبل اور آج بھی بعض مذاہب میں سمجھا جاتا ہے) اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں، اسی طرح قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ عورت کو بھی اس کے نیک اعمال کا وہی اجر ملے گا جو مرد کو ملتا ہے اور محض صنف نازک سے تعلق رکھنے کی بنا پر اس میں کمی نہیں ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔¹¹ جو کوئی بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت، لیکن ایمان دار ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح مرد و عورت کی تخلیق کے اعتبار سے دونوں میں کئی طرح کے فرق موجود ہیں، جس کی بنا پر عملی زندگی میں ان کا رول مختلف ہے، اسی قسم کے مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی خاتون شرعی نقطہ نظر سے ولی نکاح نہیں بن سکتی، یعنی نکاح میں ولی بننے کے لئے مرد ہونا ضروری ہے اور یہ شرط کوئی اختلاقی نہیں، بلکہ اسے ملت اسلامیہ کے تمام اہل علم کی تائید حاصل ہے جس پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ مگر متجددانہ رجحانات کی حاملین شخصیات میں سے بعض کا موقف یہ ہے کہ خاتون مخلوط سوسائٹی میں مردوں کے شانہ بشانہ دیگر معاملات میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ مردوں کا نکاح بھی پڑھا سکتی ہے۔ ان کے نزدیک نکاح اصل میں مرد و عورت کے درمیان علانیہ ایجاب و قبول کے ساتھ مستقل رفاقت کا عہد ہے۔ ایک لڑکا اور لڑکی اگر مجمع عام میں بیٹھ کر یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ آج سے ہم بیاہے گئے ہیں تو بس بیاہے گئے۔ اس سے زیادہ اسلام میں قانون کا تقاضا نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک بڑی پاکیزہ مجلس ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو خصوصی حیثیت دی گئی ہے۔ اس میں اس چیز کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ والدین شریک ہوں، اعزہ و اقربا شامل ہوں، دوست احباب بھی آجائیں تو انھی میں سے کوئی بزرگ اس موقع پر تذکیر و نصیحت کی باتیں بھی کر دے۔ یہی عمل ہے جس کو نکاح پڑھانا کہتے ہیں۔ یہ جس کا جی چاہے پڑھالے۔ خاتون پڑھانا چاہتی ہے تو وہ پڑھالے، مرد پڑھانا چاہتا ہے تو وہ پڑھالے۔ اسلام نے اس کے لیے کسی چیز کا پابند نہیں کیا۔ یہ ایک مستحب اور اچھا عمل ہے۔ لیکن ہمارے ہاں نکاح پڑھانا اب ایسے ہی بن گیا ہے جیسے کوئی منتر کرنا ہوتا ہے۔⁸ متجددانہ رجحانات کے حاملین کا یہ موقف

⁷ سلیمان بن اشعث، السنن ابوداؤد (الریاض: مکتبہ دارالسلام، 1998ء)، رقم: 615۔

⁸ جاوید احمد غامدی، "خاتون کا نکاح پڑھانا" اشراق، شمارہ 9 (1996)، 61۔

قرآن و سنت اور مسلمانوں کے اجماعی حکم کے خلاف ہونے کی بدولت علما محققین نے اس پر نقد کیا ہے۔ ناقدین کے مطابق عورتوں کے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں۔⁹ اسی طرح قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ عورت کو بھی اس کے نیک اعمال کا وہی اجر ملے گا جو مرد کو ملتا ہے اور محض صنف نازک سے تعلق رکھنے کی بنا پر اس میں کمی نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'جو کوئی بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت، لیکن صاحب ایمان ہو، تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے' لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح مرد و عورت کی تخلیق کے اعتبار سے دونوں میں کئی طرح کے فرق موجود ہیں۔ جس کی بنا پر عملی زندگی میں ان کا رول مختلف ہے اسی قسم کے مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی خاتون شرعی نقطہ نظر سے ولی نکاح نہیں بن سکتی، یعنی نکاح میں ولی بننے کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔ اور یہ شرط کوئی اختلافی نہیں، بلکہ اسے ملت اسلامیہ کے تمام اہل علم کی تائید حاصل ہے۔ امام ابن رشد اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: 'واما النظر فی الصفات الموجبة للولاية والسالبة لها، فانہم اتفقوا علی ان من شرط الولاية الاسلام والبلوغ والذکورية'⁹ ولایت کو واجب یا سلب کرنے والی صفات کے سلسلے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ولایت کی صحت کے لئے تین شرطیں ہیں۔ مسلمان ہونا، بالغ ہونا، مذکر ہونا¹⁰ اور اسی طرح المغنی میں ہے 'الذکورية شرط للولاية فی قول الجميع'¹⁰ ولایت کے لئے مرد ہونا تمام علماء کے قول کے مطابق شرط ہے۔ فقہاء کی مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ عورت ولایت نکاح کی اہل نہیں اور یہ اہل علم کا متفقہ موقف ہے۔ یہاں یہ بات بھی جان لینا چاہیے کہ جو ولی نہ بن سکے وہ ولی کی وکالت (نیابت) بھی نہیں کر سکتا۔ امام ابن قدامہ لکھتے ہیں: 'ومن لم یثبت له الولاية لم یصح نوکیلہ لان وکیلہ نائب عنہ وقائم مقامہ'¹¹ جس کے لئے ولایت ثابت نہ ہو، اسے وکیل بنانا صحیح نہیں۔ کیونکہ ولی کا وکیل اس کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے۔ نکاح کے لیے ولی کا ضروری ہونا کئی ایک اولہ سے معلوم ہوتا ہے شریعت اسلامیہ میں عورت کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنا نکاح خود کر لے یا کسی دوسری عورت کا نکاح کرے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها: فان الزانیۃ ہی التي تزوج نفسها¹² جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت عورت کی شادی نہ کرے اور نہ ہی عورت اپنی شادی خود کرے۔ جو عورت اپنی شادی خود کرتی ہے وہ زانیہ ہے۔

⁹ محمد بن احمد بن رشد، بدایۃ المجتہد (قاہرہ: دار الحدیث، 1425ھ)، 1: 325، 326۔

¹⁰ احمد بن محمد ابن قدامہ، المغنی (قاہرہ: مکتبۃ القاہرہ، 1968ء)، 2: 432۔

¹¹ ابن قدامہ، المغنی، 2: 233۔

¹² احمد بن حسین البیہقی، السنن الکبری (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2003ء)، 7: 117۔

علامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "فیہ دلیل علی أن المرأة لیس لها ولاية في الإنکاح لنفسها ولا لغيرها فلا عبارة لها في النکاح إيجاباً ولا قبولاً فلا تزوج نفسها بإذن الولي ولا غيره ولا تزوج غيرها بولاية ولا بوكالة ولا تقبل النکاح بولاية ولا وكالة وهو قول الجمهور۔"¹³ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو اپنا یا کسی دوسری عورت کا نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہے۔ لہذا نکاح کے سلسلے میں ایجاب و قبول کے بارے میں عورت معتبر نہیں ہے ولی وغیرہ کی اجازت کے ساتھ اپنی شادی خود نہ کرے اور ہی کسی دوسری عورت کی شادی ولایت و وکالت کے ساتھ کرے اور عورت کی ولایت و وکالت کے ساتھ نکاح قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی جمہور علماء محدثین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ عورت ایجاب و قبول کے بارے میں معتبر ہے اور نہ ہی نکاح میں عورت کی ولایت اور وکالت کو قبول کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سیدہ عائشہ کی روایت بطور دلیل ذکر کی ہے "عن عائشة رضی اللہ عنہا انہا انکحت رجلاً من بنی اخیہا جاریة من بنی اخیہا فضریت بینہما بسترثم تکلمت حتی اذا لم یبق الا النکاح امرت رجلاً فانکح ، ثم قالت : لیس الی النساء النکاح۔"¹⁴ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی کے بیٹوں (بھتیجوں) میں سے ایک آدمی کے نکاح کا بندوبست کیا۔ انھوں نے ان کے درمیان پردہ لگا دیا پھر بات کی۔ یہاں تک کہ جب عقد کے علاوہ کوئی معاملہ باقی نہ رہا، تو انھوں نے ایک مرد کو حکم دیا اس نے نکاح کر دیا پھر فرمایا: نکاح کا قائم کرنا عورتوں کا کام نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ اور عبد لرزاق کے مطبوعہ نسخے میں ہے "فان النساء لا ینکحن"¹⁵ عورتیں نکاح نہیں کرا سکتیں ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے انتظامات وغیرہ میں عورت اپنا کردار پردے کے اندر رہ کر ادا کر سکتی ہے۔ لیکن نکاح پڑھانے کی اسے اجازت نہیں۔ اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب عقد نکاح کا معاملہ ہوا تو مرد کے سپرد کر دیا۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی پاکباز خاتون ام المؤمنین یہ کام نہیں کر سکتیں تو عاصمہ جہانگیر جیسی خبیث النفس عورت کو اس کا اختیار کہاں ہے کہ وہ بدون ولی خود ولایت کا اختیار بھی لے لے اور نکاح بھی پڑھادے۔¹⁶ اس مسئلے کی مزید تائید سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا: "لا تشهد المرأة یعنی الخطبة ولا تنکح"¹⁷ عورت خطبہ نہ دے اور نہ نکاح کرائے۔ ابو حنیفہ کے استاد الاستاذ امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ

¹³ محمد بن اسماعیل صنعانی، سبل السلام (ریاض: مکتبہ نزار، ب ت)، 3: 321۔

¹⁴ عسقلانی، فتح الباری، 2: 342۔

¹⁵ ابو بکر بن ابی شیبہ، المصنف (ریاض: مکتبہ الرشید، 1409ھ)، 3: 324۔

¹⁶ حافظ صلاح الدین یوسف، خواتین کے امتیازی مسائل (لاہور: دار السلام، 2012ء)، 106۔

¹⁷ ابو بکر بن ابی شیبہ، المصنف (ریاض: مکتبہ الرشید، 1409ھ)، 3: 458۔

فرماتے ہیں: "لیس العقد بیدھا النساء إنما العقد بید الرجال"¹⁸ عقد نکاح عورت کے ہاتھ میں نہیں عقد نکاح صرف مرد کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید میں سورہ البقرہ کی آیت 237 میں بھی اللہ تعالیٰ نے "الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ"¹⁹ کہہ کر عقد نکاح مرد کے حق میں ذکر کیا ہے نیز شروع سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا اجماع و تعامل بھی یہی ہے کہ نکاح کرانا مرد کا حق ہے۔ مندرجہ بالا احادیث صحیحہ اور آئمہ محدثین کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح مرد کے اختیار میں ہے اور نکاح کا خطبہ پڑھنا جو کہ مسنون ہے اور ایجاب و قبول کرانا۔ یہ مرد کا حق ہے عورت اس باب میں معتبر نہیں ہے۔

خاتون کو نکاح پڑھانے کی اجازت کے حوالے سے بحث کا تجزیہ

دلائل کے تجزیہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے ابکہ جب عورت نہ ولی بن سکتی ہے اور نہ ولی کی وکالت کر سکتی ہے تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ نکاح نہیں پڑھا سکتی۔ کیونکہ نکاح میں دراصل ایجاب ہوتا ہے جو ولی یا اس کا وکیل ہی کر سکتا ہے اور عورت ان دونوں ولایت اور وکالت کی اہل نہیں۔ چودہ صدیوں سے اہل اسلام اسی اجماعی و متفقہ رائے کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں اور ان کی یہ روایت مسلمہ حثیت رکھتی ہے کہ نکاح پڑھانے کا عمل مرد حضرات ہی سرانجام دیتے ہیں لیکن امت کے اس اجماعی موقف اور اجتماعی تعامل کے برعکس متجددانہ رجحانات کے حاملین کی رائے یہ ہے کہ عورت بھی نکاح پڑھانے کا استحقاق رکھتی ہے، چنانچہ جناب جاوید احمد غامدی سے سوال کیا گیا کہ کیا عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟ تو غامدی صاحب نے جواب دیا: جی ہاں بالکل پڑھا سکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں فرمائی۔ ہمارے خیال میں جناب جاوید احمد غامدی کو اس کے بارے میں شرعی دلائل کے حوالے سے جواب دینا چاہیے تھا جسے انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ جو اہل علم کے اسلوب سے بہر حال مطابقت نہیں رکھتا۔ لہذا ہماری تحقیق کے مطابق غامدی صاحب اور متجددانہ رجحانات کے حاملین کا یہ موقف علماء اسلام، سلاف امت اور مسلمانوں کے اجماعی موقف اور اجتماعی تعامل کے خلاف ہے تہذیب اسلام اس کو کسی صورت قبول نہیں کرتی۔ یہ موقف ناقابل عمل اور نہ قابل قبول ہے۔

عورت کے لیے چہرے کے پردے / اوڑھنی سے متعلق متجددانہ رجحان اور اس کا نقد

خواتین کے پردے کے متعلق دین اسلام کی تصریحات نہایت واضح ہیں جس پر کتاب و سنت سے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ جس کا مقصد معاشرے میں خواتین کی عزت نفس کی حفاظت باوقار اور باحیاء معاشرے کا قیام و ارتقاء ہے۔ جس کے لئے دین اسلام نے خواتین کو ستر و حجاب کے مہذب شرعی حکم عطاء کئے ہیں۔ اسلام دین عفت و عصمت ہے اور اس نے خواتین کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے بطور خاص ہدایات دی ہیں۔ گھر میں اور گھر سے باہر محرم اور غیر محرم کے

¹⁸ ابن ابی شیبہ، المصنف، 3: 458۔

¹⁹ البقرہ، 2: 237۔

سامنے ایک مسلم خاتون کو کہاں تک اظہار زینت کی اجازت ہے۔ ان تمام امور کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اسلامی قانون معاشرت کی رو سے انتہائی قریبی اعزہ کے علاوہ ایک مسلمان خاتون کے لئے اخفاء زینت کی کم از کم حد یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ پورا جسم مستور رہے، جب کہ متجددانہ رجحانات کے حاملین کی ایک جماعت سرے سے شرعی پردے کا انکار کرتی ہے اور اس کو شرعی حکم کی بجائے فقط تہذیبی روایت کا نام دیتی ہے۔ ان میں چند ایک کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

جاوید احمد غامدی کے نزدیک چونکہ معاشرے میں خاتون خانہ کو ہر وہ حق ملنا چاہیے جو معاشرے میں مردوں کو حاصل ہیں اسی طرح ان کے مطابق عورت کے لئے دوپٹہ اوڑھنا مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔²⁰ غلام احمد پرویز کے موقف کے مطابق عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں محبوس کر دینا جرم فحش کی سزا ہے، لہذا ہمارا مردوجہ پردہ جس میں عورتوں کو گھروں کے اندر قید رکھا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف منشاء قرآنی کے خلاف ہے۔ بلکہ جرم ہے کیونکہ کسی بے گناہ کا جس بیچارے اور شرعاً جرم ہے۔²¹ عمر احمد عثمانی کے نزدیک نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم مردوں کو اسی لئے تو دیا گیا ہے کہ غیر محرم عورتوں پر ان کی نگاہ نہ پڑے اگر عورتیں مستقل طور پر سارے بدن کو چھپا کر نکلیں کہ نہ ان کا چہرہ کھلا ہو، اور نہ ہاتھ پاؤں ہر طرح ڈھکی چھپی ہوں تو مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دینے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ وہ اپنی نگاہیں اوپر بھی رکھیں تو انہیں کیا نظر آ سکتا ہے۔²² متجددانہ رجحانات کے حاملین کا یہ موقف چونکہ قرآن و سنت اور مسلمانوں کے صریح نصوص کے خلاف ہے اس لئے علماء محققین نے متجددانہ رجحانات کے حاملین کا محاکمہ کرتے ہوئے نقد کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ ناقدین محققین کے مطابق اسلام دین عفت و عصمت ہے اور اس نے خواتین کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے بطور خاص ہدایات دی ہیں۔ گھر میں اور گھر سے باہر محرم اور غیر محرم کے سامنے ایک مسلم خاتون کو کہاں تک اظہار زینت کی اجازت ہے۔ ان تمام امور کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اسلامی قانون معاشرت کی رو سے انتہائی قریبی اعزہ کے علاوہ ایک مسلمان خاتون کے لئے اخفاء زینت کی کم از کم حد یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ پورا جسم مستور رہے۔ ظاہر ہے اس میں سر پر دوپٹہ اوڑھنا از خود شامل ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کے دلائل اس قدر واضح اور قطعی ہیں کہ تاریخ اسلامی کی چودہ صدیوں تک مسلمان اس مسئلہ میں کسی بھی اختلاف سے ناآشنا رہے اور اہل علم کے مابین اس پر کامل اتفاق رہا۔²³ متجددانہ رجحانات کے ناقدین

²⁰ جاوید احمد غامدی، میزان (لاہور: الموراد ادارہ علم و تحقیق، 2014ء)، 211۔

²¹ پرویز، طاہرہ کے نام خطوط، 198۔

²² عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن (کراچی: فضل اینڈ سنز، 2012ء)، 3: 318۔

²³ طاہر اسلام عسکری، اسلام پر تہجد پسندی کے اثرات (لاہور: دار الفکر، سن)، 116۔

کی طرف سے اپنے موقف پر مندرجہ ذیل دلائل ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ اندلس کے مشہور فقیہ اور محدث امام ابو محمد علی بن حزم الظاہری اپنی شرہ آفاق کتاب مراتب الاجماع میں لکھتے ہیں: "والتفقوا علی ان شعر الحرۃ و جسمها حاشا و جھما و یدھا عورة" ²⁴ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ تمام جسم اور بال ستر ہیں ملت اسلامیہ کے اس متفقہ موقف کے برعکس ادارہ المودد کے سربراہ جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک دوپٹے کا مسئلہ سرے سے شرعی ہی نہیں ہے، چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ "دوپٹے کا شرعی حکم کیا ہے؟ جناب غامدی صاحب فرماتے ہیں: "دوپٹے ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے۔ اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ دوپٹے کے شرعی حکم ہونے کے تفصیلی دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے ہماری گزارش صرف اتنی ہے کہ اس مسئلے پر اجماع ہے اور اجماع اسی مسئلے پر ہوتا ہے جو شرعی ہو، اصول فقہ کی مشہور و متداول کتاب الوجیز فی اصول الفقہ کے مصنف ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے علامہ آمدی کے حوالے سے اجماع کی درج ذیل تعریف نقل کی ہے "الاجماع هو اتفاق المجتہدین من الامة الاسلامیة فی عصر من العصور علی حکم شرعی بعد وفاة النبی" ²⁵ اجماع سے مراد نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔ "سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں: اس آیت (غض بصر) کا جو حکم مردوں کے لئے ہے) سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی عام اجازت تھی۔ تبھی تو غض بصر کا حکم دیا۔ ورنہ اگر چہرے کا پردہ رائج کیا گیا ہوتا تو نظر نچانے یا نہ بچانے کا کیا سوال؟ یہ استدلال عقلی حثیت سے بھی غلط ہے۔ اور واقعہ کے اعتبار سے بھی، عقلی لحاظ سے یہ اس لئے غلط ہے کہ چہرے کا پردہ رائج ہونے کے باوجود، ایسے مواقع اچانک آ سکتے ہیں۔ جبکہ اچانک کسی مرد اور عورت کا آمنا سامنا ہو جائے، اور ایک پردہ دار عورت کو بھی بسا اوقات ایسی ضرورت لا حق ہو سکتی ہے پھر مسلمان عورتوں میں پردہ عام رائج ہو جانے کے باوجود۔ کہ وہ منہ کھولے۔ بہر حال غیر مسلم عورتیں تو بے پردہ ہی رہیں گی۔ لہذا محض غض بصر کا حکم اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عورتوں کے کھلے منہ پھرنے کو مستلزم ہے۔ اور واقعے کے اعتبار سے یہ اس لئے غلط ہے کہ سورۃ احزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد جو پردہ مسلم معاشرے میں رائج کیا گیا تھا اس میں چہرے کا پردہ شامل تھا۔ ²⁶ متعدد ادب رجحانات کے نقد و تجزیہ علما محققین نے نہایت زبردست دلائل ذکر کئے ہیں انہیں دلائل میں علمائے اسلام کی وہ تصریحات ہیں جو ناقدین کے موقف کو مزید قوی بنا دیتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

²⁴ ابو محمد علی بن حزم الظاہری، مراتب الاجماع (بیروت: دار العلم، ب ت)، 2: 112۔

²⁵ علی بن احمد ابن حزم الظاہری، مراتب الاجماع (بیروت: دار الفکر، س ن)، 2: 114۔

²⁶ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2004ء)، 81۔

پردے کے متعلق علمائے اسلام کی تصریحات

خواتین اسلام کی عزت و ناموس کی حفاظت اور عفت و عصمت کے معیار کو معاشرے میں بلند رکھنے کے لئے قرآن و سنت میں دلائل ذکر کئے گئے ہیں، جن کی تصریحات آئمہ محدثین نے بیان کرتے ہوئے مسائل کی وضاحت فرمائی ہے اسی طرح پردے کے متعلق بھی جو علماء محققین اور آئمہ دین کی آرا ہیں ان میں سے چند اقوال ذکر رہے ہیں۔ محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے عبیدہ سلمانی سے اس آیت "یَدْنِیْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ جَلْبَابٍ یَّجِبْنَ" 27 کے متعلق پوچھا: انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور پورا سر اور پیشانی اور پورا چہرہ ڈھانپ کر بائیں طرف والی آنکھ کو کھلا رکھا۔ ابن جریر اور ابو حیان نے ابن عباس سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ: عورت جلباب کو ماتھے کے اوپر سے موڑتے ہوئے باندھ دے، پھر اسے ناک کے اوپر سے لے جاتے ہوئے یوں بل دے کہ ان کی آنکھیں کھلی بھی رہیں تو سینے اور چہرے کا بڑا حصہ مستور رہے۔ 28 سدی سے بھی ایسی ہی کیفیت حجاب مروی ہے وہ فرماتے ہیں: "عورت اپنی ایک آنکھ اور پیشانی کو نیز چہرے کی آنکھ کے علاوہ باقی حصے کو ڈھانپ کر رکھے۔ 29 ابو حیان نے فرمایا: تمام اندلس کے شہروں کی یہی عادت ہے کہ عورت کی آنکھ کے سوا کوئی حصہ جسم بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا" 30۔ ابن قتیبہ فرماتے ہیں: عورتیں اپنی چادریں اوڑھیں جبکہ دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ کر رکھیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ آزاد خواتین ہیں۔ 31 علامہ ابو بکر جصاص رقمطراز ہیں: اس آیت میں (کہ عورتیں چادروں سے اپنے اوپر پلوٹکا لیا کریں) یہ دلیل ہے کہ نوجوان عورت اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو مستور رکھے وہ اس بات پر بھی مامور ہے کہ گھر سے نکلنے وقت ستر اور عفت مآبی کا اظہار کرے، تا مشکوک افراد ان سے غلط امید و طمع نہ کر پائیں "جلباب کی جمع ہے اور یہ ایک ایسی چادر ہے جسے عورت اپنے پورے جسم پر لپیٹ لیتی ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں: "اللہ نے اہل ایمان کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی چادروں سے اپنے سر اور چہرے ماسوا ایک آنکھ کے ڈھانپنے رکھیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ آزاد خواتین ہیں (نہ کہ لونڈیاں ہیں جن سے منافقین چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں) 32 متجدد اندر رجحانات کے نقد پر علماء محققین کے اقوال کے ساتھ عہد نبویؐ میں خواتین اسلام کا پردہ کو لازم پکڑنے اور چہرے کا پردے کرنے کے لئے کس طرح عمل پیرا ہوتی تھیں یہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

²⁷ الاحزاب، 33: 59۔

²⁸ محمد بن جریر الطبری، تفسیر طبری (بیروت: مؤسسہ الرسالہ، 2000ء)، 2: 432۔

²⁹ محمد بن یوسف ابو حیان، البحر المحیط (بیروت: دار الفکر، 1420ھ)، 7: 250۔

³⁰ ابو حیان، البحر المحیط، 7: 254۔

³¹ احمد بن علی ابو بکر الجصاص، احکام القرآن (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1405ھ)، 3: 372۔

³² محمد علی صابونی، روائع البیان (دمشق: مکتبہ الغزالی، 1980ء)، 2: 383۔

عہد نبویؐ میں خواتین اسلام کا پردہ

عہد نبویؐ میں عورت کے چہرے کا پردہ کسی قوم کی دیکھا دیکھی اختیار نہیں کیا گیا بلکہ عین نزول قرآن کے زمانے میں اسلامی معاشرے میں اسے نبی اکرم ﷺ کی براہ راست نگرانی میں رائج کیا گیا تھا، اور اس کی ابتدا خود آپ کے گھر سے ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے جو واقعہ اٹک سے تعلق رکھتا ہے، بڑی معتبر سندوں کے ساتھ کتب احادیث میں موجود ہے، وہ فرماتی ہیں۔ "جنگل سے واپس آ کر جب میں نے دیکھا کہ قافلہ چلا گیا ہے تو میں بیٹھ گئی اور نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہیں پڑ کر سو گئی، صبح کو صفوان بن معطل وہاں سے گزرے، تو دور سے کسی کو پڑے دیکھ کر ادھر آگئے" "عفری حین رانی قبل الحجاب فاستیقظت باسترجاعہ حین عرفی فخرت وجہی بجلبابی" ³³ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ نزول حکم حجاب سے قبل، وہ مجھے دیکھ چکے تھے، جب انہوں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا تو ان کی آواز میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر رسول اللہ ﷺ سے درخواست دی حضورؐ نے پوچھا: "یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا؟ اس نے عرض کیا: عورت ہی کا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کا ہاتھ ہے تو کم از کم ناخن مہندی سے رنگ لئے ہوتے (تاکہ ہاتھ کا دست خاتون ہونا واضح ہو جاتا) حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ بھی نبی اکرمؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم آگئے۔ نبی اکرمؐ نے دونوں سے فرمایا "احتجبامنہ" تم دونوں اس سے پردہ کرو" بیویوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! الیس ہوا عمی لا یبصرون ولا یعرفنا" اے اللہ کے رسول! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ ہمیں دیکھتے ہیں نہ ہمیں پہچانتے ہیں" آپ نے فرمایا: "افعمیا وان انما لستما تبصرانہ" کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتے؟" اسی واقعہ کی حضرت ام سلمہ تصریح کرتے ہوئی فرماتی ہیں "ذالک بعد ان امر بالاحجاب" ³⁴۔ یہ واقعہ حکم حجاب کے بعد نازل ہوا ہے۔ حضرت عائشہ کی حجاب کی سخت پابندی کا جو عالم تھا وہ درج ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔ اسحاق تابعی نابینا تھے وہ خدمت میں حاضر ہوئے، تو عائشہ نے ان سے پردہ کیا۔ وہ بولے "مجھ سے کیا پردہ؟ میں تو آپ کو دیکھتا نہیں۔ فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھتے میں تو تمہیں دیکھ سکتی ہوں" ³⁵۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا: "احرام باندھنے والی عورت نہ نقاب اوڑھے اور نہ ہی دستاں پہنے" ³⁶ احرام کی حالت میں عورت کو نقاب میں رخصت و رعایت عطا کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ غیر از حالت احرام میں نقاب کا استعمال ضروری ہے۔ ورنہ اگر نقاب کا کسی حالت میں بھی وجود نہ ہوتا، تو اسے محض ایک حالت میں ممنوع قرار دینے کا کوئی فائدہ ہی

³³ بخاری، الصحیح البخاری، رقم: 4140۔

³⁴ ابوداؤد، السنن، رقم: 1265۔

³⁵ ابوداؤد، السنن، رقم: 1311۔

³⁶ محمد بن سعد، الطبقات 1: 137۔

نہیں ہے۔ اس طرح حج کے موقع پر احرام میں پردے سے روکنا، بجائے خود عدم احرام کی صورت میں پردے اور نقاب پر دلالت کرتا ہے۔ حج میں اگرچہ نقاب کا استعمال اور ستر وجوہ ضروری نہیں ہے، تاہم بعض متقی اور پرہیزگار خواتین، حالت احرام میں بھی اس کا اہتمام فرماتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی اس روایت سے ظاہر ہے۔ حجۃ الوداع کے سفر میں ہم لوگ بحالت احرام مکہ کو جا رہے تھے۔ جب مسافر ہمارے پاس سے گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتی تھیں۔ وہ عام حالت میں تو اس سے بھی زیادہ چہرے کے پردے کا خیال رکھتی ہوں گی۔³⁷

عورت کے دوپٹہ اوڑھنے اور چہرے کے پردے سے متعلق بحث کا تجزیہ

متجددانہ رجحانات کے حاملین پر علماء محققین نے قرآن و سنت کی نصوص سے نقد کے قوی دلائل پیش کر کے ان کے متجددانہ موقف کا محاکمہ کیا اور یہ بات ثابت کی ہے کہ عہد نبوی اور زمانہ نزول قرآن کے یہ واقعات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ چہرے کا پردہ خود نبی اکرمؐ کے زمانے میں قرآنی تعلیمات کے اتباع میں رائج ہو چکا تھا۔ خود آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کو نابینا افراد تک سے پردہ کر نیکی ہدایت فرمائی تھی۔ ہم دیاندرانہ تجزیہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ متجددین کا مذکورہ بالا موقف درست نہیں بلکہ علماء امت اور سلف و خلف کی تصریحات کے خلاف ہے۔ جس کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر پیش خدمت ہیں۔ مثلاً پرویز صاحب کا مندرجہ ذیل موقف انتہائی شرمناک ہے وہ لکھتے ہیں: برصغیر میں شرعی پردہ کے متعلق جو عام طور پر تصور پایا جاتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ عورتوں کو گھروں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ انہیں کسی اہم ضرورت سے بھی سفر وغیرہ میں گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ تو برقعہ اوڑھ کر منہ چھپا کر، نقاب ڈال کر نکلنا چاہیے، تاکہ غیر مردوں کی نگاہ ان کے چہرے پر اور ان کے بدن پر نہ پڑ سکے۔ ہمارے ارباب شریعت کا اصرار ہے کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر بند رہنا چاہیے۔ اور اگر انہیں (مصیبت کے مارے کہیں) گھر سے نکلنا پڑے تو وہ چلتا پھرتا خیمہ نظر آئے۔ عورتوں کو اس حیثیت سے رکھنے کے لئے انہیں کسی اتھارٹی کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ کیا تھا کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان (علماء مشائخ) کو خدا سے علاوہ ہی خدا بنا رکھا ہے "یہی صورت ہمارے ہاں متواتر چلی آرہی ہے۔ پرویز صاحب پردے کو عجمی سازش قرار دیتے ہیں جبکہ عمر احمد عثمانی صاحب اسے غیروں کی نقالی سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک "یہ شرعی پردہ درست نہیں، جو ہمارے ہاں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی رائج کر لیا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسری قومیں ہیں کونسی؟ جن کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے یہ نقاب و حجاب اختیار کر لیا ہے؟ جناب عثمانی صاحب کے یہ الفاظ مغرب کی عریاں تہذیب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہیں۔ جس طرح آج تہذیب مغرب کی بالاتری میں مسلمان سیاسی آزادی پالینے کے باوجود ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر ان کے طور طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح کل یورپ اسلامی آداب معاشرت کو اختیار کر رہا تھا۔ جیسا ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے "یورپ پر اسلام کے احسان" میں لکھا ہے اسلامی تہذیب

نے حیات مغرب کے ہر پہلو پر اثر ڈالا۔ ان لوگوں کے لباس، طور طریقے، تعمیرات میں مشرقیت آگئی۔ عورتوں کا احترام بڑھ گیا اور انہوں نے حریص نگاہوں سے بچنے کے لئے نقاب اتار اوڑھ لئے۔³⁸ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات نبی کریمؐ کی قائم فرمودہ عملی روایات، علماء سلف و خلف کی تصریحات اور مغربی معاشرت کے تجربات کے تلخ نتائج یہ سب کچھ چہرے کے پردہ کو امر حق ثابت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود متجددانہ رجحانات کے حاملین زمین و آسمان کے اس فرق کو جو حدود ستر اور حدود حجاب میں پایا جاتا ہے۔ نظر انداز کرتے ہوئے یا اسے خلط ملط کا شکار بناتے ہوئے یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔ کہ چہرے کا پردہ اسلامی شریعت میں کوئی ثابت شدہ امر نہیں ہے جبکہ ہماری تحقیق کے مطابق دلائل کی روشنی سے یہ بات ثابت ہے کہ پردہ کے حوالے سے قرآن و سنت کے دلائل علماء کرام کی آراء سلف و خلف کی تصریحات سے اسلام کا مذہبی حکم ہے۔ جس کے مقابلے کے تمام دلائل کمزور اور بے بنیاد ہونے کے ساتھ ساتھ صرف اور صرف تقلید مغرب کا منہ بولتا بین ثبوت ہیں۔

خلاصہ بحث

اختلاط مرد و زن سے متعلق متجددانہ رجحانات کے حاملین کے مطابق اسلام اس چیز کو صرف اور صرف اس صورت میں منع کرتا ہے جب معاشرے میں عفت و عصمت کی قدر پر زد پڑھنے کا اندیشہ ہو۔ جس کے رد میں محققین کے دلائل انتہائی قوی اور مضبوط ہیں، جو متجددانہ رجحانات کے حاملین کی بنیاد کو سرے سے ختم کر دیتے ہیں۔ متجددانہ رجحانات کے حاملین کے نزدیک مرد کی طرح عورت بھی نکاح پڑھا سکتی ہے، جبکہ محققین اہل فکر و نظر نے نقد کے دلائل پیش کرتے ہوئے اپنے موقف میں بے شمار احادیث و آثار اور اقوال سلف صالحین سے یہ بات ثابت کی ہے کہ عورت نہ تو بذات خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کا نکاح پڑھا سکتی ہے۔ دلائل کا تجزیہ کرنے پر جس نتیجے تک ہم پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت نے عورت کا جو دائرہ کار متعین کیا ہے اس کی رو سے ناقدین کے دلائل درست اور نہایت مضبوط ہیں، جبکہ متجددانہ رجحانات کے حاملین کے پاس کوئی ایسی مضبوط دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر اسلامی تہذیب و ثقافت میں عورت کو مرد کی برابری کرتے ہوئے نکاح پڑھانے کی اجازت دی جائے۔ عورت کے پردے اوڑھنی سے متعلق متجددانہ رجحانات کے حاملین جن میں نمایاں طور پر جاوید احمد غامدی، غلام احمد پرویز، عمر احمد عثمانی وغیرہ کے موقف کے مطابق دوپٹہ دین اسلام کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت سے متعلق ایک ایسی روایت ہے جس کو مسلمانوں نے دیکھا دیکھی اپنا لیا ہے۔ جبکہ محققین ناقدین نے قرآن و سنت، اجماع اور اقوال سلف، اور آئمہ محدثین کی تصریحات کی روشنی میں متجددانہ رجحانات کے حاملین کے اس موقف کا نقد پیش کیا ہے۔ اس مسئلہ میں بھی قرآن و سنت کی واضح نصوص کے تجزیے سے ہم جس نتیجے تک پہنچتے ہیں اس کے مطابق ناقدین کے دلائل نہایت مضبوط اور قوی ہیں جو متجددانہ رجحانات کے حاملین کے موقف کی بنیاد کو ختم کر دیتے ہیں۔

³⁸ ڈاکٹر غلام جیلانی، برق، یورپ پر اسلام کے احسان (لاہور: دارالعلم، 2003ء)، 98۔